پروفیسر شہاب عنایت ملک

صدر شعبۂ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں

ادبی قافلہ 2018ء۔انگلستان میں 8دن

جنوری 2018ءاُردو دُنیا کے نامور محقق، نقاد اور شاعر ڈاکٹر تقی عابدی جموں کے دورے پر توسیعی خطبات کے سلسلے میں جب تشریف فرما تھے تو راقم کے ساتھ ایک میٹنگ میں یہ طے پایا کہ دُنیا کے مختلف ممالک سے اُردو ادیبوں اور شاعروں کا ایک ایسا قافلہ تشکیل دیا جائے جو جولائی 2018ءمیں یورپ کے مختلف ممالک کا دورہ کر کے ایک تو وہاں اُردو کے شیدائیوں کے لیے سیمی ناروں اور مشاعروں کا انعقاد کرے دوسرا ان ممالک میں اُردو کی صورتحال کا بھی جائزہ لیا جائے اور یہ پتہ لگایا جائے کہ ان ممالک میں نئی نسل اُردو کے حوالے سے کتنی متاثر ہے نیز اُردو کو ان ممالک میں فروغ دینے کے لیے کیا کیا اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے۔ تقی عابدی جموں سے واپس اپنے وطن کنیڈا چلے گئے وہاں جا کر انہوں نے اس سلسلے میں زور و شور سے کام کرنا شروع کر دیا۔ان کی محنت اور کام کے جذبے نے جون 2018ءمیں آخر رنگ لایا اور ادبی قافلے کو ڈاکٹر تقی عابدی نے تشکیل دے ہی دیا اور یہ طے پایا کہ پہلے مرحلے میں یہ قافلہ تین ممالک یعنی انگلستان، جرمنی اور اسپین کا دورہ کر کے ان ممالک کے مختلف شہروں میں ادبی پروگراموں کا انعقاد کرے گا لیکن بعد میں چند مشکلات کی وجہ سے دورہ کو انگلستان تک ہی محدود رکھا گیا اور یہ طے پایا کہ انگلستان ایک نامور ادبی تنظیم ''اہلِ قلم'' کے اشتراک سے انگلستان کے مختلف شہروں کی ادبی انجمنوں سے مل کر مختلف عنوانات پر ایک تو بین الاقوامی سیمی نار منعقد کئے جائیں دوسرا چوں کہ ان شہروں میں مشاعروں کی روایت کافی مستحکم اور پرانی ہے اس لیے یہاں مشاعروں

کاانعقاد بھی کروایاجائے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر تقی عابدی نے جوادبی قافلہ تشکیل دیاان میں ہندوستان سے راقم کے علاوہ جواہر لعل نہرویونیورسٹی کے پروفیسر خواجہ اکرام الدین، سپریم کورٹ کے معروف وکیل جناب خلیل الرحمان اور مدھیہ پردیش اُردواکیڈمی کی سیکریٹری ڈاکٹر نصرت مہدی، پاکستان سے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے صدر شعبہ اُردوڈاکٹر کامران، مشہور شاعرہ صائمہ کامران اورانجمن ترقی اُردو کراچی پاکستان کی سیکریٹری محترمہ فاطمہ حسن، کنیڈاسے تقی عابدی، امریکہ سے عبدالرحمن ابداورانگلستان سے معروف شاعر شہزادارمان، قیصر زیدی، فرزانہ نیناں، جاوید شیخ اورایوب اولیاکے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ڈاکٹر تقی عابدی کے تشکیل دیئے گئے اس ادبی قافلے نے6جولائی 2018سے 13جولائی 2018تک انگلستان کے مختلف شہروں کادورہ کرکے سیمیناروں اورمشاعروں کاانعقاد کرکے اہل برطانیہ کادِل جیتا۔اس سے پہلے کہ اس سفر کی روداد میں تفصیل سے قلم بند کروں۔پہلے ضروری بنتاہے کہ اس ادبی قافلے کے ممبران سے آپ کو مختصراً تعارف کراؤں۔

ڈاکٹر تقی عابدی: ڈاکٹر تقی عابدی کاتعلق کنیڈاکے شہر ٹورینٹو سے ہے۔اس ادبی قافلے کے روح رواں ڈاکٹر تقی عابدی ہی تھے۔ان کی سربراہی میں ہی اس قافلے نے انگلستان میں اہم ادبی کام سرانجام دیئے جن کاذکر آئندہ کے صفحات میں تفصیل سے کیاجائے گا۔ڈاکٹر عابدی پیشے سے صحت کے ڈاکٹر ہیں۔چاردرجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف ڈاکٹر تقی عابدی کو اُردوزبان وادب سے گہراشغف ہے۔اُردوکی اس محبت کی وجہ سے انہیں سفیرِ اُردو بھی کہاجاتاہے۔اُردوکے فروغ کے لیے دُنیاکے مختلف ممالک میں انجمن آرایاں وقتاً فوقتاً کراتے آرہے ہیں۔فیض، غالب، میر، انیس ان کے محبوب موضوعات ہیں۔ان موضوعات پرڈاکٹر تقی عابدی نے بڑی ضخیم کتابیں ترتیب دی ہیں جن کی اُردوادب میں کافی پذیرائی ہوئی ہے۔

عبدالرحمان عبد:۔عبدالرحمان عبد کاتعلق پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے شہر میرپور سے ہے لیکن گذشتہ 50برس سے امریکہ کے شہر نیویارک میں مقیم ہیں۔پیشے سے ایک معروف فزیشن ہیں لیکن ادب سے شروع سے لگاؤ رہاہے۔امریکہ کے ایک

مستند اور سینئر اُردو شاعر مانے جاتے ہیں۔ نعت گوئی سے انہیں بے حد لگاؤ ہے۔ان کی نعتوں کا ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے جو شمالی امریکہ کا پہلا نعتیہ شعری مجموعہ بھی ہے ۔نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں ۔ملنسار اور شریف النفس انسان بھی ہیں۔ تقی عابدی کے بعد عبدالرحمان عبد اس قافلے کے دوسرے معتبر ادیب و شاعر تھے۔

محترمہ فاطمہ حسن:۔ محترمہ فاطمہ حسن کا تعلق پاکستان کے شہر کراچی سے ہے۔آپ ایک تنقید نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک معتبر شاعرہ ہیں۔انجمن ترقی اُردو کراچی پاکستان کی سیکریٹری ہیں۔ یہ وہی انجمن ہے جس سے پروفیسر آرنلڈ، شبلی نعمانی اور بابائے اُردو مولوی عبدالحق بھی وابستہ رہ چکے ہیں۔

پروفیسر خواجہ اکرام :پروفیسر خواجہ اکرام کا تعلق جواہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی سے ہے۔اس یونیورسٹی کے شعبہ اُردو سے وابستہ ہیں۔ کئی تنقیدی کتابوں کے مصنف بھی ہیں ۔اُردو ادب کے فروغ کے لئے دُنیا کے اکثر ممالک کا دورہ کر چکے ہیں۔آپ کا شمار اُردو کے بڑے پروفیسروں میں ہوتا ہے ۔کئی سرکاری اور غیر سرکاری اُردو ادبی انجمنوں نے آپ کو اُردو خدمات کے سلسلے میں اعزازات اور انعامات سے بھی نوازا ہے۔

ڈاکٹر کامران :ڈاکٹر کامران پاکستان کے مشہور اور معروف تنقید نگار ہونے کے علاوہ اچھے شاعر بھی ہیں ۔پنجاب یونیورسٹی لاہور میں شعبہ اُردو کے چیئرمین بھی ہیں۔

صائمہ چودھری : آپ ڈاکٹر کامران کی اہلیہ ہیں۔نسوانی لہجہ کی ایک اچھی شاعرہ ہیں۔پاکستان میں ٹی وی اور ریڈیو کے مشاعروں میں برابر حصہ لیتی ہیں۔

ڈاکٹر نصرت مہدی : ہندوستان کی ایک معتبر شاعرہ ہیں ۔شعری دُنیامیں آپ کا شعری مجموعہ ''آبلہ پا'' بے حد داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔آپ مدھیہ پردیش اُردو اکیڈمی کی سیکریٹری بھی ہیں۔

خلیل الرحمان :جناب خلیل الرحمان دلی کے رہنے والے ہیں ۔پیشے سے آپ سپریم کورٹ کے ایک نامور وکیل ہیں لیکن شعر وادب سے آپ کو گہرا شغف ہے۔بہترین شاعر ہونے کے علاوہ آپ ایک باریک بین تنقید نگار بھی ہیں۔

پروفیسر شہاب عنایت ملک :پروفیسر شہاب عنایت کا تعلق جموں یونیورسٹی سے ہے ۔دو درجن سے زیادہ اُردو کتابوں کے مصنف ہیں۔اُردو کے فروغ کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔صدر شعبہ اُردو جموں یونیورسٹی بھی ہیں۔

شہزاد ارمان :شہزاد ارمان کا تعلق لاہور کے ضلع جہلم سے ہے۔روزگار کے سلسلے میں انگلستان کے شہر نوٹنگھم میں مقیم ہیں۔نہایت ہی شریف ،ملنسار اور خوش اخلاق انسان ہیں۔اہل قلم نام کی ادبی تنظیم کے روح رواں بھی ہیں اس کے علاوہ ایک معتبر شاعر بھی ہیں۔پیشے سے ڈرائیور ہیں۔انہوں نے ادبی قافلہ 2018ء کو کامیاب بنانے میں انگلستان میں ایک کلیدی رول بھی ادا کیا جس کا ذکر اس سفر نامے میں آئندہ کے صفحات میں تفصیل سے کروں گا۔

فرزانہ نیناں:انگلستان کی معروف شاعرہ ہیں۔ریڈیو اور ٹی وی سے وابستہ ہیں۔نوٹنگھم شہر میں ہر خاص وعام میں بے حد مقبول ہیں۔

جاوید شیخ:لندن میں گذشتہ 52 سال سے مقیم ہیں۔پیشے سے طب کے ڈاکٹر ہیں۔اُردو مرکز لندن کے روح رواں بھی ہیں۔

ایوب اولیا: ایوب اولیا کا تعلق دہلی سے ہے آزادی کے بعد لاہور میں سکونت اختیار کی اور اُس کے بعد انگلستان چلے آئے۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے لندن میں مقیم ہیں۔ میوزک سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور میوزک پر کئی کتابیں تحریر کر چکے ہیں۔اس کے علاوہ ایک پختہ شاعرہ بھی ہیں۔فیض فاؤنڈیشن لندن کے چیئر مین بھی ہیں۔

قیصر زیدی : قیصر زیدی کا شمار انگلستان کے معتبر اُردو شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ انگلستان کے شہر شیفلڈ میں مقیم ہیں۔آپ کا شمار انگلستان کے ذہنی امراض کے بہترین ڈاکٹروں میں ہوتا ہے۔شاعری سے جنون کی حد تک دلچسپی ہے۔ادبی قافلے میں شروع سے آخر تک ساتھ رہے۔

پروگرام کے مطابق اس پورے قافلے کو 6 جولائی 2018 کو دوپہر کے کھانے پر ڈاکٹر جاوید شیخ کے لندن والے دولت کدہ پر ملنا طے پایا تھا۔ میں جموں سے دو دن پہلے یعنی 3 جولائی کو دہلی پہونچ چکا تھا جہاں 5 تاریخ کو جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کا ایک زبانی امتحان لینے کے بعد میں اور پروفیسر خواجہ اکرام الدین رات 10 بجے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہنچ گئے جہاں سے ہمیں 6 تاریخ کی صبح 2 بج کر 45 منٹ پر لندن کے لئے انڈین ایئر لائنز کے جہاز سے پرواز کرنا تھا۔ان ہی دنوں تقی عابدی بھی ادبی دورے پر ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ حیدر آباد ،پونا کے ادبی دورے کے بعد انہیں 5 جولائی کو ہی رات 10 بجے لکھنو سے دہلی پہنچانا تھا۔ادھر نصرت مہدی سے بھی 10 بجے رات بھوپال سے دہلی پہنچنے کی اُمید تھی لیکن تقی عابدی اور نصرت مہدی اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ دیر سے پہنچے۔وہ اس لیے کہ دونوں کے جہاز لیٹ تھے۔ میں اور خواجہ اکرام الدین ایئرپورٹ کے باہر ان دونوں کا انتظار کرتے کرتے پسینے سے شرابور ہو رہے تھے کیوں کہ اس دن دہلی میں گرمی بلا کی پڑ رہی تھی۔ تقی عابدی نے دہلی کے ایک پبلیشر ڈاکٹر شاہد حسین کو بھی اپنی چند کتابوں کے ڈبے لے کر ایئرپورٹ پر بلوالیا تھا تاکہ ان کتابوں کو اپنے ساتھ لے کر برطانیہ اور کنیڈا لے جائیں۔ان تمام کتابوں کا وزن تقریباً 100 کلو تھا جو ہم چاروں کے سامان کے ساتھ تقسیم ہونا تھا کیونکہ ایئر لائنز کے بنائے گئے اصولوں کے مطابق ایک مسافر کو دو تھیلیوں میں 46 کلو وزن لینے کی ہی اجازت ہے۔ ہمارا اپنا سامان قریباً 23 کلو کے آس پاس تھا گویا ابھی ہم مزید 23 کلو سامان اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے۔میں خواجہ اکرام الدین اور ڈاکٹر شاہد حسین سامان کی تقسیم کی بات کر ہی رہے تھے کہ لکھنو سے تقی عابدی کی فلائٹ آن پہنچی۔ تھوڑی دیر کے بعد نصرت مہدی بھی اس قافلے میں شامل

ہو گئیں جو تھوڑی دیر کے بعد لندن روانہ ہونے والا تھا۔ شاہد حسین کی لائی ہوئی کتابوں کو پہلے ہر ایک کے سامان کے ساتھ Adjust کیا گیااور اس کے بعد ہم یعنی میں خواجہ اکرام ،نصرت مہدی اور تقی عابدی سیدھاانڈین ایئرلائنز کے کونٹر پر Boarding Pass بنانے کے لئے چلے گئے۔ کونٹر پر بیٹھی ہوئی انڈین ایئرلائنز کی ایک اہلکار لڑکی کی نااہلیت کی وجہ سے بورڈنگ پاس بنانے میں اچھی خاصی تاخیر ہو گئی تقریباًایک بجے ہم تینوں کو بورڈنگ پاس مل گیااور ہم چاروں دوسری کاغذی کاروائی پوری کرنے کے لئے دوسری جگہ چلے گئے جہاں سیکورٹی کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد ہمیں اُس گیٹ پر جانے کی اجازت دی گئی جہاں سے ہمارا جہاز روانہ ہونا تھا۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ ہم چاروں افراد دوڑتے بھاگتے جہاز کے گیٹ پر پہنچ گئے لیکن وہاں جاکر معلوم ہوا کہ جہاز کا گیٹ تبدیل کر دیا گیا ہے اوراب فلائٹ گیٹ نمبر 4 سے روانہ ہونے جارہی تھی۔ ہم واپس لوٹ آئے وقت ہمارے پاس بہت کم تھا۔ نصرت، تقی عابدی اور خواجہ اکرام الدین بڑی تیزی سے چل کر گیٹ نمبر 4 کی طرف جارہے تھے لیکن میں بے حد تھکا ہوا تھااس لئے چل نہیں پارہا تھا۔ سارا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ ٹانگیں چلنے سے جواب دے گئی تھیں۔ اس کی ایک وجہ میرا پہنا ہوا جوتا بھی تھا جو بالکل Uncomfortable تھا۔ بہر حال کسی طرح سے میں گیٹ نمبر 4 تک پہنچ گیا۔ تھوڑی سانس لینے کے بعد ہم چاروں 6 جولائی، ہندوستانی وقت کے مطابق صبح 3 بجے انڈین ایئرلائنز کے جہاز میں لندن روانہ ہونے کے لیے بیٹھ گئے۔ چند لمحوں کے بعد جہاز نے فضا میں اڑان بھر لی۔ پورا جہاز مسافروں سے بھرا ہوا تھا۔ زیادہ تر مسافر ہندوستان کے مختلف حصوں سے وہ لوگ تھے جو کاروبار یا نوکری کے سلسلے میں لندن میں مقیم ہیں۔ جہاز میں چند طالب علم بھی تھے جو لندن کی مختلف یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں۔ مجھے تھکاوٹ کا احساس زبردست ہو رہا تھااس لیے جلد ہی نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ میری آنکھ اُس وقت کھلی جب جہاز لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ پر لینڈ کر گیا۔ اس وقت لندن کے وقت کے مطابق صبح کے 7 بج رہے تھے۔ ہم جب جہاز سے باہر آرہے تھے تو لندن کی خوشگوار صبح ہمیں خوش آمدید کہنے کے لیے تیار تھی۔ باہر آکر ہندوستان کے مقابلے میں موسم کا اپنا الگ ہی مزاج تھا۔ یہاں ایئرپورٹ پر سردی کا احساس ہوا۔ صاف ستھرا اور دلکش ہیتھرو ایئرپورٹ ایک عجیب طرح کا منظر پیش

کر رہا تھا۔ یہ ایئرپورٹ انگریزوں کے تعمیراتی فن کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہیتھرو ایئرپورٹ پر کاغذی کاروائی پورا کرنے کے بعد ہم ایئرپورٹ سے باہر آ گئے۔ چوں کہ تھکاوٹ کا احساس شدت سے ہو رہا تھا اس لیے ایئرپورٹ کے باہر ہی ایک کافی ہاؤس میں چلے گئے۔ کافی پینے کے بعد ہم تھوڑی دور اور پیدل چلے گئے جہاں شہزاد بڑی بے صبری سے ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ یہی وہ شہزاد ارمان ہے جس کا تعارف میں اس سفر نامے کی پہلی قسط میں کروا چکا ہوں۔ شہزاد ارمان برطانیہ کے ایک نوجوان اُردو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے جرنلسٹ بھی ہیں اس کے علاوہ وہ نوٹنگھم یونیورسٹی سے فلم اور ٹی وی میں ایم اے بھی کر رہے ہیں۔ شہزاد نے ہمیں والہانہ انداز میں خوش آمدید کہا۔ انہوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ نیویارک سے عبدالرحمان عبد بھی ایئرپورٹ کے ٹرمینل 5 پر پہنچ چکے ہیں اور ہم سب کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم ایئرپورٹ سے لفٹ کے ذریعے کار پارکنگ میں چلے آئے۔ شہزاد عبد کو لینے چلے گئے۔ چند لمحوں کے بعد عبدالرحمان عبد ہمارے قافلے کے ساتھ شامل ہو گئے اور ہم لندن کی خوشگوار اور مہکتی صبح کا لطف بڑے مزے سے لے رہے تھے جس وقت ہم نے ہیتھرو ایئرپورٹ کو لبیک کہا اُس وقت صبح کے 9 بجے تھے۔ شہزاد لندن کی صاف و شفاف سڑکوں پر تیزی سے گاڑی چلا رہا تھا اور ہم لندن کی خوبصورت اور دلکش سڑکوں، عمارتوں اور خوشگوار موسم کا لطف اٹھاتے جا رہے تھے۔ تقی عابدی ہمیں شہر سے متعلق پوری جانکاری دے رہے تھے۔ عبد اور تقی عابدی پہلے بھی کئی مرتبہ انگلستان کا دورہ کر چکے تھے اس لیے وہ یہاں کی تہذیب اور یہاں کے کلچر کی پوری جانکاری رکھتے تھے۔ تقی عابدی کے مطابق ان دنوں لندن میں سیاحوں کا بہت رش رہتا ہے اور دُنیا بھر سے سیاح لندن گھومنے چلے آتے ہیں اس لیے اچھے ہوٹل ملنا مشکل ہو جاتے ہیں۔ وہ انگریزوں کی اچھائیوں کے علاوہ ان میں پائی جانے والی بُری عادتوں کی بھی بات کر رہے تھے اور میں اور خواجہ اکرام الدین لندن کی دلکش فضاؤں میں کھوئے ہوئے ہوٹل پہنچنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ شہزاد نے Moxey ہوٹل کے سامنے گاڑی روک دی۔ یہ لندن کا وہ چار ستارہ ہوٹل تھا جہاں ہم نے دو دن قیام کرنا تھا۔ خواجہ اکرام الدین اور مجھے ٹھہرنے کے لیے ایک کمرہ دیا گیا۔ ہمارے ٹھہرنے کا انتظام پورے انگلستان میں ڈاکٹر تقی عابدی نے ہی کیا تھا کیوں کہ وہ اس قافلے کے امیرِ کارواں تھے۔ ہوٹل کا کمرہ بہت ہی چھوٹا تھا۔ باتھ روم ایسے کہ مشکل سے

ایک آدمی کھڑا ہو سکے۔ ہمارے یہاں سب کچھ اس کے بر عکس تھا۔ کشادہ کمرے بڑے بڑے باتھ روم، ہمیں مغرب کے ہوٹل کے کمروں اور باتھ روموں نے پورے آٹھ دن پریشان کر کے رکھ دیا۔ بہر حال ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر ہم فریش ہوئے اور اس کے بعد ہم تقریباً لندن کے وقت کے مطابق دن کے دو بجے ڈاکٹر جاوید شیخ کے گھر کی طرف دوپہر کے کھانے کے لئے چل پڑے۔ ڈاکٹر جاوید شیخ ساؤتھ لندن میں قیام پذیر ہیں۔ شہزاد ارمان شہر لندن کے بیچ میں سے ہمیں ڈاکٹر جاوید کے دولت کدے پر لے جا رہے تھے اور ہم شہر کے نظاروں کا مشاہدہ کرنے میں مصروف تھے۔ صاف و شفاف شہر، طرح طرح کی کاریں، خوبصورت و شفاف راستے بل کھاتی ہوئی سڑکیں اور ان پر چلتے ہوئے گورے لوگ عجیب طرح کا منظر پیش کر رہے تھے۔ تقی عابدی ایک راہنما کی طرح شہر اور اس میں رہنے والے لوگوں کے بارے تفصیل سے جانکاری فراہم کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ لندن ایک ایسا شہر ہے جہاں دُنیا کے ہر ملک کے لوگ آباد ہیں۔ ویسے لندن کی سڑکوں پر مجھے انگریزوں کے بعد جو دوسرے لوگ زیادہ دکھائی دیئے وہ شری لنکن تھے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ شری لنکا کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد کاروبار کے سلسلے میں اس شہر میں مقیم ہیں۔ ویسے ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کی اچھی خاصی تعداد بھی اس شہر میں موجود ہے۔ ہم شہر کے نظاروں سے لطف اندوز ہو ہی رہے تھے کہ شہزاد نے راستہ بھول جانے کا انکشاف کیا۔ لندن میں شام شروع ہو گئی تھی لیکن سورج ابھی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں سورج رات دیر غروب ہوتا ہے اس لیے رات بھی یہاں دن کا منظر پیش کرتی ہے۔ بڑی دلکش سہاؤنی شام ہوتی ہے لندن کی بلکہ پورے انگلستان کی صبح 9 بجے لوگ اپنے کاروبار پر نکلتے ہیں اور شام 5 بجے سب اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں اس کے بعد پورا شہر خاموشی کا منظر پیش کرتا ہے۔ اکا دکا لوگ ہی بازار میں چلتے نظر آتے ہیں۔ راستہ معلوم کرتے کرتے ہم قریباً 6 بجے شام ڈاکٹر جاوید شیخ کے گھر پہنچے۔ ڈاکٹر جاوید شیخ قصور پاکستان کے رہنے والے ہیں اور گذشتہ 52 سال سے ساؤتھ لندن میں مقیم ہیں۔ انہوں نے اور اُن کی اہلیہ نے ہمارا پُر جوش استقبال کیا۔ ہم نے دوپہر کے کھانے کے بجائے رات کا کھانا کھالیا۔ گپ شپ ہو رہی تھی کہ پاکستان سے ڈاکٹر محمد کامران اور صائمہ کامران بھی اس ادبی قافلے میں شامل ہو گئے۔ ڈاکٹر جاوید کے گھر سے ہی لندن میں اس ادبی

قافلے کا آغاز ہوا۔ پریس کے سامنے ڈاکٹر تقی عابدی نے اس ادبی قافلے کے اغراض و مقاصد بیان کئے۔ اتنے میں صائمہ کامران اور ڈاکٹر کامران نے بھی کھانا کھالیا۔ ڈاکٹر جاوید کے گھر میں پہلے سے ہی قافلے کے ایک اور ممبر خلیل الرحمان رُکے ہوئے تھے ۔ خلیل الرحمان ڈاکٹر جاوید شیخ کے دوست ہیں وہ اکثر انگلستان آتے رہتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اُردو ادب سے گہرا شغف رکھتے ہیں اور ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ رات کے گیارہ بجے ہم ڈاکٹر جاوید شیخ کے گھر سے فارغ ہوئے۔ اب شہزاد واپسی پر گاڑی صحیح راستے پر ہوٹل کی طرف چلا رہا تھا تقریباً 12 بجے ہم ہوٹل پہنچے۔ چوں کہ بہت زیادہ تھک چکے تھے اس لیے جلد ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

7 جولائی کو صبح جب آنکھ کھلی تو تھکاوٹ میں تھوڑی راحت محسوس ہو رہی تھی۔ ہوٹل کے کمرے کے تنگ باتھ روم میں بڑی مشکل سے نہا دھو کر میں اور خواجہ اکرام الدین تیار ہو کر ڈاکٹر تقی عابدی کا انتظار کرنے لگے۔ ہوٹل اگرچہ کہ چار ستارہ تھا لیکن ہمارے مزاج کے مطابق اس میں ناشتے کا انتظام بالکل بھی نہیں تھا۔ جلد ہی ڈاکٹر تقی عابدی قافلے کے سب ہی افراد کے لئے سینڈوچ لے کر آئے۔ ہمیں چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ نہ تو ہوٹل میں چائے کا انتظام تھا اور نہ ہی کمرے میں۔ مایوس ہو کر ہمیں سینڈوچیز پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔ اس کے بعد یہ ادبی قافلہ پاکستانی سفارت خانہ کی طرف روانہ ہوا جہاں ''اقبال کے فکر و فن'' پر پاکستانی سفارت خانہ نے اُردو مرکز لندن اور اہل قلم کے تعاون سے ایک روزہ عالمی سیمی نار کا انعقاد کیا ہوا تھا۔ راستے میں شہزاد نے گاڑی روک کر کسی کیفٹیریا سے ہماری کافی کا انتظام کر دیا اور یوں ہم گاڑی میں بیٹھ کر کافی پیتے ہوئے تقریباً ساڑھے دس بجے پاکستان کے سفارت خانہ پہنچ گئے جہاں پاکستانی سفارت خانہ کے اہل کاروں نے ادبی قافلہ کے ممبران کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اس سفارت خانہ میں قائداعظم محمد علی جناح کے مجسمہ کو حال ہی میں نصب کیا گیا تھا۔ سیمی نار شروع ہونے سے پہلے انگلستان میں پاکستان کے سفیر سید ابن عباس نے اس مجسمہ کا رسم اجراء کیا۔ ٹھیک 11 بجے سیمی نار کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی۔ ابتدائی تقریب کی صدارت

سفیر پاکستان سید ابن عباس نے کی۔اس موقعہ پر ادبی قافلے کے روح رواں سید تقی عابدی نے اقبال کے فکر و فن کا تجزیہ کرتے ہوئے اقبال کو دُنیا کا ایک عظیم شاعر قرار دیتے ہوئے اقبال کے پیغام کو پھیلانے پر زور دیا تا کہ دُنیا میں ان کی شاعری اور پیغام کی وجہ سے ایک دفعہ پھر امن قائم ہو سکے۔ڈاکٹر تقی عابدی کے پر مغز کلیدی خطبے سے ہال میں بیٹھے ہوئے تمام سامعین بے حد متاثر ہوئے۔اس موقعہ پر بہت سے مقررین نے علامہ اقبال کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے نئی نسل میں ان کے پیغام کو مزید پھیلانے پر زور دیا گیا۔پروفیسر خواجہ اکرام نے اقبال کی نظم ''مجلسِ شوریٰ'' کے ایک کردار ابلیس کا نہایت عمدگی کے ساتھ جائزہ لیتے ہوئے سامعین کے دِلوں کو موہ لیا جبکہ ڈاکٹر محمد کامران نے کہا کہ علامہ اقبال ہمارے نمائندہ شاعر ہیں۔ان کے مطابق بڑا شاعر وہ ہوتا ہے جس کے کلام میں ماضی، حال اور مستقبل تینوں عہد کی آوازیں شامل ہوں اور یہ آوازیں اقبال کی شاعری ہیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر جاوید شیخ صدر اُردو مرکز لندن نے اقبال کی زندگی اور شاعری پر ایک مقالہ بھی پڑھا۔پاکستانی ہائی کمشنر سید ابن عباس نے اقبال کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انہیں ایک آفاقی شاعر قرار دیا۔انہوں نے کہا کہ اقبال کی شاعری کے مختلف ادوار ہیں اور ہر دور میں اقبال الگ نظر آتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ اقبال کے پیغام کو نوجوانوں تک پہنچانا بہت ضروری ہے اور یہ کام اہل قلم حضرات بخوبی سرانجام دے سکتے ہیں۔

افتتاحی تقریب کے بعد پاکستانی سفارت خانہ کے اہلکاروں نے دوپہر کے کھانے کا انتظام سفارت خانہ کے لان میں کیا ہوا تھا ۔کھانا نہایت ہی لذیز تھا۔گوشت ، مرغ، پلاؤ اور روٹی کے علاوہ ٹھنڈی مشروبات کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ کھانا پاکستانی انداز میں پکایا گیا تھا جسے سب نے لطف لے کر کھایا۔

کھانے کے بعد سیمی نار کی دوسری نشست کا آغاز ہوا جس کی صدارت پاکستانی سفارت خانے کے ڈپٹی ہائی کمشنر جناب زاہد حفیظ چودھری نے کی۔اس اجلاس میں جن مقالہ نگاروں نے اقبال کو خراج عقیدت پیش کیا ان کے اسمائے گرامی یوں ہیں جناب

شریف بقا، پروفیسر شہاب ملک، ڈاکٹر نصرت مہدی اور جناب خلیل الرحمان۔ پروفیسر شہاب عنایت ملک نے کہا کہ علامہ اقبال کی شاعری میں ہمیں ہر جگہ فکر نظر آتی ہے وہ ایک سیکولر شاعر تھے۔انہوں نے رام چندر جی پر بہترین نظم تحریر کی ہے۔ان کی شاعری میں حب الوطنی اور قومی یکجہتی کے عناصر بھی ملتے ہیں۔ پروفیسر شریف بقا نے کہا کہ اقبال نے قرآنی آیات کو مد نظر رکھتے ہوئے شاعری کی ہے۔ ان کی شاعری میں فکرِ حدیث رواں ہے۔ معروف براڈکاسٹر رضا علی عابدی بھی ایوان صدارت میں موجود تھے جنھوں نے اقبال کی شاعری کو پیغامی شاعری قرار دیا۔ خلیل الرحمان نے اقبال اور گوئٹے کی شاعری کا باریک بینی سے تقابلی مطالعہ کیا ۔انہوں نے کہا کہ اقبال نے گوئٹے سے متاثر ہو کر ''پیام مشرق'' لکھی جو ایک شاہکار ہے۔ڈاکٹر نصرت مہدی نے اقبال اور بھوپال سے متعلق بات کرتے ہوئے کہا کہ اقبال نے بھوپال میں قیام کے دوران 14 نظمیں تحریر کیں۔ بھوپال میں راس مسعود سے ان کے گہرے مراسم تھے۔عبدالرحمان عبد نے اقبال کی شاعری کو دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے کی بات کی تاکہ اقبال کے پیغام کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔ صدارتی خطبے میں زاہد حفیظ چودھری نے مقررین کو اقبال کی شخصیت اور فن پر سیر حاصل بحث کے لئے مبارکباد دی۔ اس کے بعد بین الاقوامی سیمی نار اختتام پذیر ہوا۔ پروگرام کی اگلی کڑی عالمی اُردو مشاعرہ تھا جس میں انگلستان اور دنیا بھر سے آئے ہوئے شعراء نے اپنی شاعری سے سامعین کو بے حد محظوظ کیا۔ محترمہ غزل انصاری، محترمہ فرزانہ نیناں، محترمہ فاطمہ حسن، ڈاکٹر نصرت مہدی، جناب شہزاد ارمان، جناب خلیل الرحمان، جناب عبدالرحمان عبد، جناب قیصر زیدی اور جناب تقی عابدی نے اپنی شاعری سے سامعین کو بے حد محظوظ کیا۔ تقریباً شام سات بجے اس محفل کا اختتام ہوا۔اسی محفل میں میری ملاقات ایوب اولیا اور ہفت روزہ المساجد کے مدیر جناب طارق محمود سے بھی ہوئی۔ جناب ایوب اولیا نے بتایا کہ انہوں نے فاروق عبداللہ کے دور اقتدار میں جموں تک کا سفر کیا ہے۔ کشمیر آنے کی اُن کی شدید خواہش ہے لیکن کشمیر میں بگڑے ہوئے حالات ان کے کشمیر نہ آنے کا سبب بن رہے ہیں۔ محفل ختم ہونے کے بعد ادبی قافلہ شکیب بھائی کی عیادت کے لئے اُن کے دولت کدہ پر گیا۔ شکیب بھائی دراصل حیدر آباد کے رہنے والے ہیں۔ علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ برسوں سے لندن میں مقیم ہیں۔اُردو زبان اور ادب کے

شیدائی ہیں۔ادبی قافلے کے امیر کارواں ڈاکٹر تقی عابدی کے گہرے دوستوں میں شمار ہوتے ہیں۔کسی بیماری میں مبتلا ہو کر حال ہی میں ہسپتال میں داخل ہونے کے بعد گھر واپس آئے ہیں۔اب قدرے بہتر ہیں۔ تقی عابدی نے انہیں بتایا کہ حیدر آباد کے لوگ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔انہوں نے دھیمی آواز میں کچھ کہااور مسکرائے۔شکیب بھائی کی عیادت کے بعد شام کا کھانا کھانے کے لیے ڈاکٹر تقی عابدی پورے قافلے کو'' راوی کباب''نامی ایک ریسٹورنٹ میں لے گئے۔جہاں پورے قافلے نے عمدہ قسم کے کباب، شوربہ ،روٹی اور چاول کھائے۔ریسٹورنٹ کا مالک کراچی سے تعلق رکھتا تھا۔ہمارے اصرار پر اُس نے عمدہ چائے بھی پلائی جس سے بڑی حد تک ہماری تھکاوٹ میں کمی آگئی۔ کھانا کھانے اور چائے پینے کے بعد شہزاد ارمان نے گاڑی واپس ہوٹل کی طرف دوڑائی ۔سنسان سڑک پر گاڑی بہت تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ تقی عابدی قافلے کے ممبران کو مختلف لطیفوں سے محظوظ کر ہی رہے تھے کہ شہزاد ارمان نے گاڑی روکی۔دیکھا سامنے ہمارا ہوٹل تھا۔کمرے میں چلے گئے۔نیند نے کب اپنی آغوش میں لے لیا کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔

پروگرام کے مطابق آج ہمیں انگلستان کے ایک مشہور شہر نوٹنگھم کے لئے روانہ ہونا تھا جہاں اہل قلم نے شام 6 بجے ایک ادبی محفل کا انعقاد کیا تھا۔اس ادبی محفل میں ایک سیمی نار اور مشاعرہ شامل تھا۔لندن سے نوٹنگھم تک کا فاصلہ تقریباً 2 گھنٹے کا تھا۔ہم صبح ہوٹل میں جلدی تیار ہو کر بغیر ناشتہ کئے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئے۔چونکہ ہوٹل میں ہمارے حساب سے ناشتے کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا اس لئے طے یہ پایا کہ راستے میں کسی مقام پر گاڑی روک کر ناشتہ کر کے پھر نوٹنگھم کے لئے سارا قافلہ روانہ ہو جائے۔تقریباً دس میل کا راستہ طے کرنے کے بعد ایک ریسٹورنٹ نظر آیا جہاں گاڑی روکی گئی۔ریسٹورنٹ میں اکثر انگریز ناشتہ کر رہے تھے ہم ریسٹورنٹ کے باہر ہی کرسیوں پر بیٹھ کر لندن کی صبح کا مزہ لینے لگے جو نہایت ہی سہاونی تھی، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے مجھے کشمیر کی یاد دلا رہے تھے۔ تقی عابدی ریسٹورنٹ کے اندر ناشتہ لینے چلے گئے۔ان کے ساتھ شہزاد ارمان بھی تھے۔چند لمحوں کے بعد وہ کافی

اور آملیٹ سینڈ وچ لے کر آئے۔ پورے انگلستان میں ریسٹورنٹ یا ہوٹل میں کسی قسم کی سروس نہیں ہے جو کرنا ہے خود ہی کرنا ہے۔ مجھے اپنا کشمیر یاد آنے لگا جہاں ہم زندگی کو آرام اور مزے سے جی لیتے ہیں۔ ریسٹورنٹ میں ناشتہ لینے کے بعد ہم نوٹنگھم کی طرف روانہ ہوئے۔ سڑک نہایت ہی کشادہ اور صاف وشفاف تھی۔ شہزاد گاڑی تیزی سے چلا رہے تھے اور ہم راستے میں آنے والے سرسبز میدانوں اور خوبصورت گاؤں کا مشاہدہ کرتے ہوئے آگے بڑھ ہی رہے تھے کہ قافلے کے ممبران کو گرمی کا احساس ہونے لگا۔ گذشتہ دو دن سے لندن میں تھوڑی گرمی اس لئے بڑھ گئی تھی کیونکہ انگلستان میں کئی دنوں سے بارش برسی نہیں تھی جس کی وجہ سے اہل برطانیہ کافی پریشان تھے۔ برطانیہ میں چونکہ موسم سرد رہتا ہے اس لئے وہاں نہ تو پنکھوں کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ایئر کنڈیشن کی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ برطانیہ کے لوگ معمولی گرمی سے تنگ آ گئے تھے۔ شہزاد ارمان نے جو گاڑی ہمارے سفر کے لئے کرائے پر لی ہوئی تھی اُس میں اے سی کام نہیں کر رہا تھا۔ کالے رنگ کی سات سیٹوں والی یہ گاڑی کئی اعتبار سے ہمیں تنگ کر رہی تھی۔ گاڑی کے گیئر بھی آواز نکال رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نوٹنگھم جاتے ہوئے راستے میں ایک جگہ گاڑی کو روکنا پڑا جہاں دو انگریز ٹرک ڈرائیوروں نے خندہ پیشانی سے ہماری مدد کی۔ گاڑی کو آگے چلنے کے قابل بنایا۔ ویسے اس گاڑی کو تبدیل کرنے کے لئے تقی عابدی پہلے دن سے تگ و دو کر رہے تھے لیکن اب تک وہ نئی گاڑی حاصل کرنے میں اس لیے ناکامیاب ہوئے تھے کیوں کہ نئی گاڑی مل نہیں پا رہی تھی۔ سیاحوں کے رش کی وجہ سے اکثر نو سیٹوں والی گاڑیاں پہلے سے ہی بُک تھیں۔ تقی عابدی نے ایئر پورٹ پر بھی نئی گاڑی لینے کی کوشش کی اور پھر لندن شہر میں بھی لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ اب جب گاڑی نے زیادہ Problem کرنی شروع کی تو فیصلہ یہ ہوا کہ نوٹنگھم سے آگے کسی بھی حال میں اس گاڑی میں سفر نہ کیا جائے چاہے اس کے لئے کتنا ہی پیسہ ادا کرنا پڑے۔ بہر حال ٹھیک تین بجے ہمارا یہ قافلہ نوٹنگھم شہر میں داخل ہوا۔ یہ چھوٹا سا شہر نہایت ہی خوبصورت ہے۔ شہر کے درمیان سے ایک دریا بھی گزرتا ہے جو شہر کی خوبصورتی میں دوگنا اضافہ کرتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کشمیری طرز پر بنے ہوئے مکانات اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ نوٹنگھم کو طالب علموں کا شہر بھی کہا جاتا ہے چوں کہ یہاں انگلستان کی دو بڑی یونیورسٹیاں قائم ہیں جن

میں دنیا کے ہر ممالک سے طالب علم تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں آتے ہیں۔ دونوں یونیورسٹیوں میں طالب علموں کی کل تعداد 60,000 ہے جس کی وجہ سے اس خوبصورت شہر میں ہر طرف طالب علم ہی طالب علم دکھائی دیتے ہیں ۔ان میں گورے طالب علم کم اور دوسرے ممالک سے آئے ہوئے طالب علم زیادہ ہیں۔ نوٹنگھم کو انگلستان کا میر پور بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ یہاں پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے علاقہ میر پور کے لوگ صدیوں سے رہتے آرہے ہیں۔ میر پوریوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یہ شہر کہیں سے بھی انگلستان کا شہر دکھائی نہیں دیتا ہے۔ میر پور سے تعلق رکھنے والے یہ لوگ یا تو پہاڑی زبان بولتے ہیں یا پھر اُردو۔ ہمارے قافلے نے دوپہر کا کھانا ابھی تک نہیں کھایا تھا۔ شہزاد ارمان کا تعلق چوں کہ اسی شہر سے تھا اس لئے وہ اس شہر کے ہر گلی کوچے سے واقف تھا۔ شہزاد نے بتایا کہ نوٹنگھم میں ایک لاہوری ریسٹورنٹ ہے جس کا نام ''لاہوری توا'' ہے۔ یہاں ہر قسم کا لاہوری کھانا دستیاب ہے۔ چنانچہ فیصلہ یہی ہوا کہ آج لاہوری ہی کھانا ہی کھایا جائے۔ چناں چہ توے کی بڑی بڑی روٹیاں، کباب، سالن اور ٹھنڈی مشروب پی کر ہم لطف اندوز ہوئے۔ پورے برطانیہ میں لوگ کھانے کے ساتھ ٹھنڈا مشروب ضرور لیتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ مشروب کھانے کو ہضم کر دیتا ہے۔ مشروب کا استعمال برطانیہ میں کثرت سے ہوتا ہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد تقی عابدی نے ہمیں ہوٹل ''برطانیہ'' لیا جہاں حسب معمول وہی چھوٹے سائز کے کمرے تھے۔ خواجہ اکرام اور میں اپنے کمرے کی کھڑی سے شہر کا مشاہدہ کرنے لگے جو نہایت ہی خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔ تقریباً چھ بجے شام ہمارا قافلہ جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہوا جہاں بہت سارے لوگ ہمارے استقبال کے لئے پہلے سے ہی موجود تھے۔ یہاں اہل قلم کی جانب سے سیمی نار اور مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا تھا۔ سیمی نار کا موضوع ''برصغیر کے صوفی اور قومی یکجہتی'' تھا۔ اس سیمی نار کی صدارت برمنگھم کے مشہور تاجر اور سماجی کارکن جناب لخت حسین نے کی۔ مقررین نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تصوف کی اہمیت آج کے دور میں پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔

ہمیں صوفیا کو پڑھنے کی آج بے حد ضرورت ہے۔ صوفیا نے انسانیت کا درس دیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ بر صغیر کے صوفیا نے اسلام زور زبردستی سے نہیں پھیلایا بلکہ ان کی تعلیمات ہمیں قومی یکجہتی اور آپسی بھائی چارے کا درس دیتی ہیں۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے صوفیائے کرام کی خدمات پر ایک شاندار کلیدی خطبہ دیا۔ انہوں نے صوفیا کی تعلیمات کو اپنانے پر زیادہ زور دیا۔ مقررین میں پروفیسر خواجہ اکرام الدین، پروفیسر شہاب عنایت ملک، عبدالرحمان عبد، ڈاکٹر کامران اور خلیل الرحمان نے صوفی تعلیمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ پروگرام کی نظامت فرزانہ نیناں اور شہزاد ارمان نے مشترکہ طور پر انجام دی۔ سیمی نار کے بعد مشاعرہ میں جن شعراء نے سامعین کو محظوظ کیا ان کے اسمائے گرامی یوں ہیں۔ فرزانہ نیناں، شہزاد ارمان، احمد مسعود، عاصی کاشمیری، صائمہ کامران ، نصرت مہدی، قیصر زیدی، عبدالرحمان عبد، ڈاکٹر تقی عابدی۔ اس پروگرام میں خواتین کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ نوٹنگھم شہر کے میئر بھی اس پروگرام میں شامل ہوئے۔ مشاعرے کے بعد رات کے کھانے کا انتظام جناب لخت حسین نے کیا تھا۔ کھانا کھانے کے دوران میری ملاقات ایک عمر رسیدہ عورت سے ہوئی جو بنیادی طور پر جموں کی رہنے والی تھیں جب ملک تقسیم ہوا تو وہ پاکستان اپنے خاندان کے ساتھ چلی گئیں۔ اُس وقت اس عورت کی عمر صرف چار سال تھی۔ اس نے مجھ سے دریائے توی کا ذکر بھی کیا اور رگھوناتھ مندر کا بھی۔ اس عورت نے مزید بتایا کہ اب وہ کافی عرصے سے نوٹنگھم ہیں مقیم ہے۔ اسی پروگرام میں نوٹنگھم کی ایک لڑکی شگفتہ سے ملاقات ہوئی جس نے نوٹنگھم یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا ہوا تھا۔ اس کے والدین پاکستانی ہیں اور اکثر دونوں بیمار رہتے ہیں جن کی دیکھ بھال شگفتہ کو ہی کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ والدین کی خاطر اب وہ نرسنگ کا کورس نوٹنگھم یونیوسٹی سے کر رہی تھی۔ شگفتہ کی یہ کہانی سن کر ہم سب اسے ماں باپ کی خدمت کے جذبے کو دیکھ کر شاباش دینے لگے۔ شگفتہ فیس بک پر لائیو چینل بھی چلاتی ہیں اُس نے آج کے اس پورے پروگرام کی کاروائی کو فیس بک پر لائیو نشر کیا۔ بعد میں شگفتہ نے مانچسٹر والے پروگرام کو بھی لائیو دکھایا۔ شگفتہ کا ذکر آئندہ کے صفحات میں مزید کروں گا۔ بہر حال ہم واپس ہوٹل آ گئے دوسرے دن ہمارا پروگرام بریڈفورڈ کا تھا۔

9جولائی صبح نوٹنگھم میں سورج طلوع ہونے کے بعد جب ہماری آنکھ کھلی تومیری نظر ہوٹل کی کھڑکی سے شہر پر پڑی۔ پوراشہر خوبصورت نظارہ پیش کررہاتھا۔ سڑکوں پر سلیقے سے ٹریفک چل رہی تھی۔ خوب صورت سڑکیں، اکثر چھوٹے خوبصورت مکانات اور سڑکوں پر پیدل چل رہے خوبصورت گورے ایک عجیب طرح کا منظر پیش کررہے تھے۔ بھیڑ بھاڑ کم ہونے کی وجہ سے نوٹنگھم شہر بالکل خاموش لگ رہاتھا۔ اتنے میں شہزاد قافلے کے تمام افراد کے لئے ناشتہ لے کر آیا۔ ناشتہ کرتے وقت معلوم ہوا کہ ہمارے امیر کارواں ڈاکٹر تقی عابدی صبح سویرے نئی گاڑی کی تلاش میں کہیں نکل گئے ہیں۔ موقعہ غنیمت جان کر میں نے خواجہ اکرام سے نوٹنگھم کی مارکیٹ میں خرید وفروخت کرنے کے لئے تھوڑی دیر چلنے کو کہا۔ ہم مارکیٹ میں کافی دور تک چلے گئے لیکن مارکیٹ کے بھاؤ دیکھ کر ہم خالی ہاتھ واپس لوٹ آئے۔ ہندوستان کے مقابلے میں پورے انگلستان کی مارکیٹ بے حد مہنگی ہے یہاں کی کرنسی پونڈ ہے۔ 50 پونڈ ہندوستان کے تقریباً 5 ہزار روپے کے برابر ہوتے ہیں۔ مہنگائی کا اندازہ آپ یہاں سے ہی لگا سکتے ہیں کہ پانی کی جو بوتل ہندوستان میں 20 روپے کی ملتی ہے اس کی قیمت انگلستان میں قریباً 2 پونڈ ہے گویا ہندوستان کے تقریباً 200 روپے۔ ہوٹل واپس آکر ہم سب تقی عابدی کا انتظار کرنے لگے تاکہ اگلے پڑاؤ کے لئے رختِ سفر باندھا جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر تقی عابدی ایک نئی 9 سیٹوں والی گاڑی لے کر ہوٹل برطانیہ پہنچ گئے۔ ہمارا اگلا پڑاؤ بریڈفورڈ تھا جو نوٹنگھم سے قریباً 150 میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ گاڑی میں سامان بھرنے کے بعد شہزاد ایک دفعہ پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی بریڈفورڈ کی طرف رواں دواں ہوگئی۔ راستے میں تقی عابدی اور شہزاد ارمان مختلف لطیفے سنا کر ہم سب کو محظوظ کررہے تھے۔ مختلف خوبصورت مقامات ہماری کشش کا باعث بھی بن رہے تھے۔ سرسبز میدان اور اُن پر ہریالی واقعی قدرت نے انگلستان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ تقریباً 3 بجے ہم بریڈفورڈ پہنچے۔ یہاں بھی پاکستانیوں کی اچھی خاصی تعداد قیام پذیر ہے۔ دوپہر کا کھانا نہ لینے کی وجہ سے ہم سب بھوکے تھے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے کچھ کھایا جائے اور اس کے بعد ہوٹل چلا جائے۔ چناں چہ ہم سب ایک پاکستانی ریسٹورنٹ میں چلے گئے۔ وہاں فش سینڈوچ اور ٹھنڈی مشروبات لینے کے بعد ہم ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں ہمارا قیام ہوٹل IBIS میں تھا۔ چھوٹا سا ہوٹل

ایک چھوٹی سی پہاڑی پر قائم تھا۔ ہوٹل سے پورے بریڈفورڈ شہر کا خوبصورت نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ ہوٹل میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ہم فریش ہو کر اُس مقام کی طرف چل پڑے جہاں آج کا پروگرام رکھا گیا تھا۔ آج کا پروگرام اہلِ قلم نے یوگ شائر ادبی فورم کے اشتراک سے منعقد کیا تھا۔ یوگ شائر ادبی فورم کی روح رواں مہ جبیں غزل انصاری صاحبہ ہیں جو نہایت ہی شائستہ اور پُر مذاق خاتون ہیں۔ مہ جبیں غزل انصاری کا شمار انگلستان کے نمائندہ شاعروں میں ہوتا ہے۔ آپ کئی انٹرنیشنل سیمی ناروں اور مشاعروں میں بھی شرکت کر چکی ہیں۔ معتبر شاعرہ ہونے کے ساتھ ساتھ مہ جبیں غزل بہترین منتظم بھی ہیں۔ ان کے کئی شعری مجموعے شائع ہو کر ادبی دنیا سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کے شوہر ڈاکٹر انصاری بھی ایک مزاحیہ شاعر ہیں۔ بنیادی طور پر ذہنی امراض کے ڈاکٹر ہیں۔ خوش اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی مہمان نواز بھی ہیں۔ یوگ شائر ادبی فورم نے بریڈفورڈ میں نسائی ادب پر سیمی نار کے علاوہ ایک شعری نشست کا اہتمام بھی کیا تھا۔ ٹھیک 6 بجے شام سیمی نار شروع ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر تقی عابدی نے کی جبکہ سیمی نار کا کلیدی خطبہ انجمن ترقی اُردو کراچی، پاکستان کی سیکریٹری محترمہ فاطمہ حسن نے پیش کیا جس میں انہوں نے نسائی ادب کی اہمیت اور ضرورت کے علاوہ اس کے آغاز وارتقا پر بھی روشنی ڈالی۔ پروفیسر شہاب عنایت ملک، جناب خلیل الرحمان، ڈاکٹر نصرت مہدی وغیرہ نے نسائی ادب کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے اُردو ادب میں عورتوں کی خدمات کو بھی اُجاگر کیا۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے یوگ شائر ادبی فورم کو اہم موضوع پر سیمی نار منعقد کرنے کے لئے مبارک باد پیش کرتے ہوئے اُردو میں نسائی ادب کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے بعض اہم خواتین قلم کاروں کا بھی ذکر کیا جنھوں نے عورت کے مسائل کو اپنی تخلیقات میں جگہ دی۔ سیمی نار کے بعد شعری نشست میں محترمہ مہ جبین غزل، محترمہ فرزانہ نیناں، محترمہ فاطمہ حسن، صائمہ کامران، قیصر زیدی، نصرت مہدی، عبدالرحمان عبد، خلیل الرحمان اور تقی عابدی نے اپنے خوبصورت اشعار سے سامعین کو محظوظ کیا۔ اس پروگرام میں بھی عورتوں کی اچھی خاصی تعداد نے شرکت کی۔ ویسے پورے انگلستان کے سفر کے دوران میں نے محسوس کیا کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں ادبی محفلیں سجانے میں بھی پیش پیش ہیں اور شاعری تخلیق کرنے میں بھی آگے آگے ہی ہیں جس کی مثال فرزانہ نیناں، مہ جبین غزل

اور شگفتہ کے ادبی کارناموں سے دی جاسکتی ہے۔انگلستان کے بعض شہروں کادورہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ یہاں مشاعروں کو زیادہ پسند کیاجاتاہے۔عوام جب مشاعروں کانام سنتے ہیں توخوشی سے پھولے نہیں سماتے ہیں۔اس کے مقابلے میں سیمی ناروں سے لوگ کم دلچسپی رکھتے ہیں اس کی شاید ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان شہروں میں سیمی ناروں کاانعقاد بہت کم پیمانے پر ہوتاہے۔اس ادبی قافلے نے مشاعروں کے ساتھ سیمی ناروں کاانعقاد کرکے ایک نئی روایت قائم کی ہے۔یہ تجربہ بڑی حدتک کامیاب رہا۔اس کاسارااسہرا تقی عابدی کے سر جاتاہے جنھوں نے لندن،نوٹنگھم ،بریڈفورڈ ،شیفلڈ،مانچسٹراور برمنگھم میں مختلف عنوانات پر سیمی نارمنعقد کرواکر اہل اُردو کواس جانب متوجہ کرایا۔اُمید ہے کہ تقی عابدی یورپ کے دوسرے ممالک میں بھی اس سلسلے کو شروع کرکے اُردوادب اور خاص کر مہجری ادب کی تاریخ میں اپنے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ کریں گے۔اُردو کے اس معتبر اور بے لوث خدمت گار کو ہم سب دِل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔بریڈفورڈ کے نسائی ادب کے اس کامیاب سیمی نار اور مشاعرہ کے بعد یہ محفل تقریباًرات گیارہ بجے اختتام پذیر ہوئی۔کھانا کھانے کے بعد ہمارا قافلہ واپس ہوٹل IBIS لوٹا۔ہوٹل واپس لوٹنے سے پہلے مہ جبین غزل انصاری کے شوہر محترم ڈاکٹر انصاری نے پورے ادبی قافلے کو شیفلڈ جاتے ہوئے اگلے دن دوپہر کے کھانے کی دعوت بھی دی۔ڈاکٹر تقی عابدی کی قیادت میں تشکیل دیا گیا۔یہ ادبی قافلہ بغیر تھکن کے انگلستان کے مختلف شہروں میں ادبی دھوم مچارہاتھا۔جب بھی کسی ممبر کے چہرے پر تھکان دکھائی دیتی توشہزادارمان اور تقی عابدی کے لطیفے فوراًتھکان دور کرنے کاسبب بنتے۔

10جولائی کوہم سب نے چوں کہ شفیلڈ مہ جبیں غزل انصاری کے گھر دوپہر کا کھانا کھانے جاناتھااس لیے رات کو ہی طے پایاتھاکہ صبح دیر سے جاگاجائے اور قریباً12 بجے مہ جبین انصاری کے گھر کی طرف روانہ ہواجائے تاکہ اُن کے گھر پر دوپہر کا کھانا کھاکر شفیلڈ کی طرف روانہ ہوسکیں جہاں بزم ادب شفیلڈ نے اہل قلم کے اشتراک سے شام 6 بجے سیمی نار اور مشاعرہ کااہتمام کیاہواتھا۔چنانچہ حسب پروگرام بریڈفورڈ کے ہوٹل IBIS میں قافلے کے تمام ممبران نہادھوکر مہ جبین غزل انصاری کے یہاں

جانے کے لئے تیار ہوئے۔ناشتہ ہوٹل میں ہی کیا گیا۔پہلی دفعہ اس سفر کے دوران بریڈفورڈ کے اس ہوٹل میں ناشتہ کاانتظام تھا۔ پھل۔بٹر ٹوسٹ۔کیک اور جوس کے علاوہ یہاں کافی کاانتظام بھی تھا۔ناشتہ لینے کے بعد ہم سب نے اپنااپنا سامان گاڑی کی ڈکی میں بھر دیا۔اب جو گاڑی تقی عابدی نو ٹنگھم میں لے آئے تھے جیسے کہ میں پہلے بھی تحریر کر چکا ہوں نئی تھی جس میں ایئر کنڈیشن کاانتظام بھی موجود تھا۔گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر حسب معمول شہزاد ایک دفعہ پھر بیٹھ گیا۔گاڑی مہ جبین غزل انصاری کے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔یہاں سے اُن کے گھر کا راستہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا تھا۔انگلستان کی سڑکوں پر یہ معمولی سفر مانا جاتا ہے وہاں کی سڑکیں ہمارے ہندوستان کی سڑکوں کی طرح خستہ نہیں ہیں جہاں چند کلو میٹر کا سفر طے کرنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں۔انگلستان کی کشادہ اور ٹریفک کے رش سے پاک سڑکیں ذہین ودِل کو ایک عجیب طرح کی خوشی کااحساس دلاتی ہیں۔ان سڑکوں پر سفر کرنے سے مسافر کبھی تھکاوٹ کا شکار نہیں ہوتا ہے بل کہ انسان قدرتی نظاروں کامشاہدہ کرتے کرتے کب منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے کچھ پتہ ہی نہیں چلتا ہے اور پھر انسان جب قافلے کی صورت میں ان سڑکوں پر سفر کرتا ہے تو سفر کے مزے میں دوگنا اضافہ ہو جاتا ہے۔اس وقت قافلے کے جو افراد گاڑی میں سفر کر رہے تھے ان میں تقی عابدی، خلیل الرحمان، نصرت مہدی، ڈاکٹر محمد کامران، پروفیسر خواجہ اکرام، صائمہ کامران، راقم الحروف اور شہزاد ارمان کے اسمائے گرامی شامل تھے۔عبدالرحمان عبد اپنے کسی رشتہ دار کے گھر بریڈفورڈ سے شام کو ہی چلے گئے تھے۔انہوں نے شفیلڈ میں جلسہ گاہ میں پہنچنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔اس کے علاوہ شفیلڈ کے پروگرام کے اختتام پذیر ہونے کے بعد محترمہ فرزانہ نیناں اور محترمہ فاطمہ حسن، ڈاکٹر مہ جبین غزل انصاری کے ہمراہ ہی ان کے گھر چلی گئیں تھیں۔ تقریباً 2 بجے دوپہر ہم ڈاکٹر مہ جبین غزل کے یہاں پہنچ گئے۔جہاں اُن کے خوش اخلاق شوہر پہلے سے ہی ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے۔یہاں ڈاکٹر مہ جبین کے دو چھوٹے چھوٹے خوبصورت گھر ہیں۔ڈاکٹر انصاری کے پرجوش استقبال کے بعد ہمیں پہلے ایک گھر کے خوبصورت ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا جہاں ٹھنڈی مشروبات سے ہماری خاطر تواضع کی گئی۔ڈاکٹر فاطمہ حسن اور فرزانہ نیناں بھی اتنے میں تیار ہو کر ہمارے قافلے کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ تقی عابدی چوں کہ اس قافلے کے روح رواں تھے اس لئے وہ ہم سب

کے ساتھ نہایت ہی سلیقے سے پیش آرہے تھے۔انگلستان میں پورے سفر میں ہماری جو خاطر تواضع تقی عابدی نے کی اسے ہم فراموش نہیں کر سکتے ہیں۔مہ جبین غزل انصاری کے گھر میں وہ ہمارے ساتھ ادبی گفتگو کرنے میں مصروف ہی تھے کہ ڈاکٹر انصاری نے ہمیں دوپہر کے کھانے کے لئے دوسرے مکان میں چلنے کو کہا۔ چھوٹے سے کھانے والے کمرے میں ہم نے لذیز کھانا کھایا۔ کھانے میں مرغ، گوشت اور دال کے ساتھ روٹی اور چاول پکائے گئے تھے۔ کھانا شاندار طریقے سے پکایا گیا تھا جسے ہم نے مزے لے کر کھایا۔ میٹھے میں حلوہ کھلایا گیا اور اس کے بعد چائے سے خاطر تواضع کی گئی۔دن کے ساڑھے تین بج چکے تھے اور ابھی بھی شفیلڈ تک کا راستہ دو گھنٹے کا تھا جبکہ وہاں پروگرام کا وقت شام چھ بجے تھا۔ چناں چہ فیصلہ یہ ہوا کہ اب شفیلڈ کی طرف رُخ کیا جائے۔ کالے رنگ کی 9 سیٹوں والی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر شہزاد ایک دفعہ پھر بیٹھ گیا اور گاڑی شفیلڈ کی طرف فراٹے بھرنے لگی۔ ساڑھے پانچ بجے ہم شفیلڈ پہنچ گئے۔ یہاں بھی ہمارے رہنے کا انتظام ہوٹل IBIS میں ہی تھا۔ ہوٹل پہنچ کر ہم تیار ہوئے اور جلسہ گاہ کی جانب چل پڑے۔ہال میں جب پہنچے تو عبدالرحمان عبد پہلے سے ہی یہاں اپنے رشتہ دار کے ساتھ پہنچ چکے تھے۔انہیں آج کے سیمی نار کی صدارت کرنی تھی۔ سیمی نار کا موضوع ''اُردو میں نعتیہ شاعری'' تھا۔عبدالرحمان عبد چونکہ خود ایک معتبر نعتیہ شاعر ہیں اس لئے اس سیمی نار کی صدارت کے لئے ان سے موزوں کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔ تقی عابدی نے اپنے کلیدی خطبے میں نعتیہ شاعری کے فن اور اُردو میں اس کے آغاز وارتقاء سے متعلق سیر حاصل بحث کرتے ہوئے بتایا کہ نعت کا فن مشکل ترین فن ہے۔انہوں نے اُردو کے علاوہ عرب کے نعت گو شاعروں کا بھی ذکر کیا جنھوں نے حضور کی شان میں نعتیں تحریر کر کے اس فن میں کافی سرمایہ جمع کیا ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر خواجہ اکرام الدین، پروفیسر محمد کامران اور خلیل الرحمان نے بھی نعتیہ شاعری کے حوالے سے اپنا اپنا نکتہ نظر پیش کیا۔ عبدالرحمان عبد نے منتظمین کو اس نازک موضوع پر سیمی نار منعقد کرنے کے لئے مبارکباد پیش کی۔انہوں نے عربی اور اُردو نعتوں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے اس فن کو نازک قرار دیتے ہوئے اُن نعتیہ شاعروں کی خدمات کو اُجاگر کیا جنھوں نے حضور کی شان میں عمدہ سے عمدہ نعتیں تحریر کیں۔ شفیلڈ میں بھی سیمی نار کے بعد مشاعرے کی ایک کامیاب نشست منعقد کی گئی جس

میں مقامی اور بین الاقوامی شعراءنے سامعین کواپنے کلام سے محظوظ کیا۔ منتظمین نے یہیں پر رات کے کھانے کاانتظام بھی کیاہواتھا۔ کھانا کھانے کے بعد ہم ہوٹل IBIS واپس لوٹے۔اگلے دن اس ادبی قافلہ کومانچسٹر روانہ ہوناتھاجہاں 11 جولائی کی شام ''کہتے ہیں کہ غالب کاہے اندازِ بیاں اور'' کے موضوع پر بین الاقوامی سیمی نار کے علاوہ خزینہ ن ادب مانچسٹر کی طرف سے ایک مشاعرے کاانعقاد بھی کیاگیا تھا۔خواجہ اکرام نے اسی رات راقم کویہ اطلاع دی کہ صبح ہم جلدی صباحت کے ساتھ۔ قافلے کے بغیرمانچسٹر کے لئے روانہ ہوں گے جہاں پہنچ کر خرید وفروخت بھی کی جائے گی اورمانچسٹر شہر کودیکھا بھی جائے گا۔خواجہ اکرام نے راقم کویہ بھی بتایاکہ صباحت اوراس کے شوہر خود ہم دونوں کو لینے کے لئے شفیلڈ آئیں گے۔مانچسٹر کانام میرے ذہن میں بچپن سے ہی تھا۔ بچپن میں جب انگلینڈ اور ہندوستان یاپاکستان کے درمیان کرکٹ کھیلی جاتی تھی تواکثر کمنٹری سننے کے دوران مانچسٹر شہر کانام میرے ذہن میں گھر کرچکاتھا۔ مجھے مانچسٹر کاسفر طے کرنے کی خوشی اس لئے بھی تھی کہ اس شہر سے متعلق ایک عجیب طرح کی تصویر میں نے اپنے ذہن میں سجار کھی تھی۔صباحت سے متعلق تعارف پیش کرتے ہوئے پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے بتایاکہ وہ اُن کی منہ بولی بہن ہے جس کا تعلق لاہور پاکستان سے ہے۔وہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے اُردو میں ایم اے اورایم فل کرچکی ہیں۔اسلام آباد کی ایک یونیورسٹی میں کچھ عرصہ اسسٹنٹ پروفیسر کے فرائض بھی انجام دے چکی ہیں۔ان کی ملاقات صباحت سے پاکستان کی اُس عالمی کانفرنس میں ہوئی جس کاانعقاد علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد نے 2006ءمیں کیاتھا۔اس کے بعد صباحت کی شادی مانچسٹر میں زہدنام کے لڑکے سے ہوئی۔ شادی کے بعدوہ مانچسٹر منتقل ہوگئیں اوریہیں وکالت کاپیشہ اختیار کیا۔ان کے شوہر جرمنی میں پیداہوئے ہیں اورمانچسٹر میں ایک بڑی تجارت سے منسلک ہیں۔صباحت کے دوچھوٹے بچے ہیں جومانچسٹر کے کسی سکول میں پڑھ رہے ہیں۔خواجہ اکرام الدین نے مزید بتایاکہ صباحت ایک خوش اخلاق لڑکی ہے۔مانچسٹر منتقل ہونے کے بعد بھی صباحت کے ساتھ برابران کے تعلقات بنے رہے۔ وہ دونوں تقریباًایک دہائی کے بعد مانچسٹر میں مل رہے تھے۔صباحت ایک دفعہ دلی بھی آچکی ہیں ۔مانچسٹر منتقل ہونے کے بعدصباحت اورخواجہ اکرام الدین برابرفون کے ذریعے ایک دوسرے سے جڑے رہے۔

11 جولائی کی صبح راقم اور خواجہ اکرام نیند سے جلدی جاگے۔ پروگرام کے مطابق ہم دونوں نے جلدی صباحت کے ساتھ مانچسٹر روانہ ہونا تھا۔ شفیلڈ کے ہوٹل IBIS میں بھی ناشتے کا انتظام تھا۔ ہم دونوں نے ناشتہ کیا اور صباحت اور اس کے شوہر کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں ہمارے قافلے کے دوسرے افراد بھی ناشتہ کرنے ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں پہنچے۔ تقریباً ساڑھے دس بجے صباحت اور ان کے شوہر زاہد کالے رنگ کی مرسڈیز میں ہوٹل کے احاطے میں داخل ہوئے۔ خواجہ اکرام نے میرا اور تقی عابدی کا تعارف صباحت اور اُس کے شوہر سے کروایا۔ اس کے بعد میں اور خواجہ اکرام الدین صباحت کی گاڑی میں بیٹھ کر مانچسٹر کی طرف روانہ ہوئے۔ صباحت قمر سے میری بات چیت مختلف موضوعات پر ہو رہی تھی۔ خواجہ اکرام الدین نے ایک دن قبل جو تعارف صباحت کا مجھ کو دیا تھا اُس سے کہیں زیادہ صباحت قمر خوش اخلاق اور خوش گفتار نظر آ رہی تھیں۔ وہ مجھے شہاب بھائی کہہ کر پکار رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم دونوں آج ہی نہیں ملے بلکہ برسوں سے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ وہ مجھے اپنی تعلیم کے علاوہ پاکستان میں کی ہوئی اپنی ملازمت کے بارے میں بھی جانکاری فراہم کر رہی تھیں۔ اپنے والدین کے علاوہ صباحت نے مستقل طور پر مانچسٹر میں قیام اختیار کرنے کی وجہ بھی بتائی۔ زاہد مانچسٹر روڈ پر گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے۔ شفیلڈ سے مانچسٹر تقریباً ساڑھے تین گھنٹے کا راستہ ہے لیکن زاہد نے مختصر راستہ اختیار کیا۔ راستے میں جگہ جگہ خوبصورت کھلے میدان اور ان پر ہریالی ہی ہریالی ایک دلکش منظر پیش کر رہے تھے۔ ہم تینوں ان قدرتی مناظر کا مشاہدہ کر ہی رہے تھے کہ خواجہ اکرام الدین کے فون کی گھنٹی بجی۔ خواجہ نے فون پر بات کی تو معلوم ہوا کہ نغمانہ کنول مانچسٹر جانے سے پہلے ہمیں اپنے گھر پر چائے پر مدعو کر رہی ہیں۔ نغمانہ کنول خزینہ نِ ادب مانچسٹر کی بانی صدر ہیں اور آج کا پروگرام مانچسٹر میں ان کی ادبی تنظیم ہی منعقد کروا رہی تھی۔ نغمانہ نے پورے قافلے کے لئے دوپہر کے کھانے کا انتظام اپنے گھر پر کیا تھا لیکن ہم چونکہ قافلے سے صبح سے جدا ہوئے تھے اس لئے وہ ہمیں چائے پر دعوت دے رہیں تھیں۔ نغمانہ کنول کا تعارف خواجہ اکرام سے چوں کہ پہلے سے ہی تھا اس لئے ہم نے اُن کی دعوت قبول کر لی۔ مانچسٹر پہنچنے سے پہلے ہم چاروں نغمانہ کے یہاں گئے چوں کہ گرمی زیادہ تھی اس لئے ہم نے چائے پینے سے منع کر دیا اور جوس پر ہی اکتفا کیا۔ کچھ لمحے

نغمانہ کے گھر گذارنے کے بعد ہم مانچسٹر کی طرف روانہ ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم مانچسٹر کے خوبصورت شہر میں داخل ہوئے۔ یہ شہر قدیم وجدید عمارتوں کا ایک بہترین امتزاج ہے ۔اس شہر میں کشمیری طرز کے مکانات بھی ہیں اور ممبئی میں بنے ہوئے منفرد طرز کے اونچے فلیٹ بھی۔ مانچسٹر انگلستان کا ایک صنعتی شہر ہے۔صباحت نے بتایا کہ چوں کہ پاکستان کا شہر فیصل آباد بھی ایک صنعتی شہر ہے اس لئے اسے بھی اس حوالے سے پاکستان کا مانچسٹر کہا جاتا ہے۔جب ہم شہر میں داخل ہوئے اُس وقت دن کا ڈیڑھ بجے رہا تھا۔ یہاں زندگی کی رفتار بہت تیز تھی۔ چونکہ صباحت کو اسکول سے اپنے بچوں کو لینے جانا تھا اس لیے طے یہ پایا کہ پہلے دوپہر کا کھانا کھایا جائے ۔ایک بڑے شاپنگ مال کے ایک ریسٹورنٹ میں ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ اس کے بعد صباحت اور زاہد ہم دونوں کو شاپنگ مال میں چھوڑ کر اپنے بچوں کو لینے اسکول چلے گئے۔ دونوں نے تھوڑی دیر کے بعد پھر آنے کا وعدہ کیا۔ دونوں میاں بیوی خوش اخلاق تو تھے ہی خوش مزاجی اور مہمان نوازی میں دونوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اپنی مصروف تجارتی زندگی سے دونوں نے پورا دن ہمارے ساتھ صرف کیا۔ یہی نہیں مجھے اور خواجہ اکرام الدین کو تحفوں سے بھی نوازا۔ بہر حال شاپنگ مال سے دونوں میاں بیوی کے چلے جانے کے بعد میں اور خواجہ اکرام الدین اس بڑے مال کی مختلف دکانوں پر خرید وفروخت کے لئے چلے گئے۔ان دکانوں میں ضروریات زندگی کی چیزیں بڑے سلیقے کے ساتھ سجی ہوئی تھیں اور اُسی سلیقے کے ساتھ ان کو بیچنے والی خوبصورت انگریز لڑکیاں دکانوں کے مختلف کونٹروں پر کھڑی مختلف چیزوں کو بیچنے میں مصروف عمل تھیں۔ اسی مارکیٹ کی ایک دکان پر خواجہ اکرام الدین اپنے بھتیجے کے لئے ایک لیپ ٹاپ خریدنا چاہتے تھے لیکن اس لئے خریدنے سے قاصر رہے کیوں کہ ہندوستان میں یہی لیپ ٹاپ اس سے کم قیمت میں فروخت ہوتا ہے۔ مہنگائی کی وجہ سے ہم نے کچھ نہ خریدنے کا تہیہ کر لیا لیکن اس بڑے شاپنگ مال کے نشیب وفراز دیکھنے کے لئے پیدل پورے مال میں خوب گھومے۔اس مال میں ہمیں انگریزوں کے ساتھ دوسرے ممالک کے لوگ بھی دکھائی دیئے جو خرید وفروخت کی غرض سے اس مال میں کثیر تعداد میں موجود تھے۔ مال سے باہر بھی ایک بڑی مارکیٹ تھی۔ ہم دونوں مال سے باہر سڑک پر نکل کر اس مارکیٹ کا مشاہدہ کرنے لگے۔ اتنے میں صباحت اور زاہد واپس لوٹے۔اُن دونوں کے ساتھ مارکیٹ میں

گھومنے اور چند چیزیں خریدنے کے بعد ہم دوبارہ زاہد کی گاڑی میں سوار ہوئے۔ ہماری اگلی منزل اپنا ہوٹل تھا جس وقت ہم شہر سے گزر رہے تھے اس وقت پوری سڑک پر ٹریفک کا دباؤ زیادہ تھا۔صباحت ہمیں شہر کی مختلف جگہوں اور عمارتوں کے بارے میں جانکاری فراہم کر رہیں تھیں اور ہماری گاڑی رینگتی ہوئی ہوٹل کی طرف جارہی تھی۔اس سے پہلے مارکیٹ میں جب ہم چہل قدمی کر رہے تھے کہ زاہد نے اپنی ذات کا انکشاف کیا۔انہوں نے بتایا کہ وہ ملک برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر کیا تھا ہم دونوں آناً فاناً اتنے قریب ہوئے کہ جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔زاہد کے پاس جرمن پاسپورٹ تھا اور صباحت کے پاس پاکستانی اور چونکہ پاکستانی پاسپورٹ پر کشمیر کا ویزا ملنا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے میں نے زاہد کو کشمیر آنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول بھی کی۔ٹریفک کے دباؤ کی وجہ سے ہماری گاڑی بالکل آہستہ چل رہی تھی۔15 منٹ کا راستہ ہم نے ایک گھنٹے میں طے کیا۔ مانچسٹر میں بھی ہمارا قیام ہوٹل IBIS میں ہی تھا۔ صباحت اور زاہد ہم سے رخصت لے کر صبح دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے گھر چلے گئے اور ہم ہوٹل کے اندر جہاں کچھ دیر پہلے ہی ادبی قافلے کے دوسرے افراد نغمانہ کنول کے گھر سے دوپہر کا کھانا کھا کر پہنچ چکے تھے۔ ٹھیک چھ بجے ہمارا قافلہ اس مقام کی طرف روانہ ہوا جہاں آج ''کہتے ہیں کہ غالب کا انداز بیاں ہے اور'' کے موضوع پر خزینہ نے ادب مانچسٹر نے سیمی نار اور مشاعرے کا اہتمام کیا تھا۔ سات بجے پروگرام شروع ہوا۔ سیمی نار کی صدارت راقم الحروف نے کی جبکہ سیمی نار کا کلیدی خطبہ ہمارے امیر کارواں جناب تقی عابدی نے پیش کیا۔ تقی عابدی کے پر مغز خطبے کے بعد خلیل الرحمان، پروفیسر خواجہ اکرام، نصرت مہدی اور ڈاکٹر کامران وغیرہ نے مرزا غالب کی عظمت اور اہمیت پر بھرپور روشنی ڈالی۔ مقررین نے غالب کو جداگانہ شاعر قرار دیتے ہوئے اُن کے کلام کی خصوصیات کو نمایاں کیا۔ راقم نے اپنے صدارتی خطبے میں مرزا غالب کی نثر اور خاص کر اُن کی خطوط نگاری سے متعلق بات کرتے ہوئے کہا کہ غالب اُردو نثر میں پہلے ادیب ہیں جنھوں نے مقفع اور مسجع عبارت کو چھوڑ کر آسان اور سادہ نثر کو فروغ دیا۔ اپنے خطوط کے ذریعے انہوں نے مراسلہ کو مکالمہ بنانے کا کام خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ شعری نشست میں مہ جبین غزل، صائمہ کامران، قیصر عباس، عبدالرحمان عبد، تقی عابدی، نصرت مہدی اور خلیل الرحمان وغیرہ شعراء نے اپنے کلام

سے سامعین کو محظوظ کیا۔ نوٹنگھم سے تعلق رکھنے والی شگفتہ بھی اس پروگرام کو لائیو فیس بک پر نشر کرنے کے لئے مانچسٹر پہنچ گئی تھیں۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد ہمارا قافلہ جب ہوٹل IBIS پہنچا تو ہمارے امیر کارواں تقی عابدی کو آئس کریم کھانے کو جی چاہا۔ ہوٹل IBIS کے سامنے ایک بڑا پٹرول پمپ تھا جس کے ساتھ ہی مختلف چیزوں کا ایک بڑا اسٹور بھی موجود تھا۔ ہم اسٹور کے اندر چلے گئے۔ اسٹور کا مالک ہندوستانی تھا ہم نے آئس کریم لی اور سٹور میں ہی کرسیوں پر بیٹھ کر کھانے لگے۔ اتنے میں شگفتہ نے پورے پروگرام کی ایک Documentary بنانے کی بات کی چناں چہ فیصلہ یہ ہوا کہ یہیں پر اس Documentary کو شوٹ کیا جائے۔ چنانچہ اب شہزاد ارمان کے ہاتھ میں کیمرہ تھا اور شگفتہ کے ہاتھ میں مائیک۔ تقریباً ڈھائی گھنٹے کے بعد جب Documentary مکمل ہوئی تو صبح کے تین بج رہے تھے۔ ہم ہوٹل واپس آئے۔ بستر کے اندر جوں ہی چلے گئے تو نیند نے آناً فاناً اپنی آغوش میں لے لیا۔

پروگرام کے مطابق ہمارا اگلا پڑاؤ انگلستان کا ایک اور مشہور و معروف شہر برمنگھم تھا جہاں 12 جولائی کی شام اقبال اکیڈمی ''برمنگھم نے پاکستانی کونسلیٹ کے اشتراک سے ''فیض احمد فیض کی موجودہ دور میں اہمیت'' کے عنوان سے ایک سیمی نار کا انعقاد کیا گیا تھا۔ سیمی نار کے بعد ایک مشاعرہ کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ مانچسٹر سے برمنگھم تک کا راستہ تقریباً ساڑھے تین گھنٹے کا ہے۔ ہم ہوٹل IBIS مانچسٹر میں ناشتہ کرنے کے بعد سامان گاڑی کی ڈکی میں بھر ہی رہے تھے کہ صباحت اور اُن کے شوہر ایک دفعہ پھر حسب وعدہ ہم سے ملنے ہوٹل IBIS پہنچ گئے۔ پورے قافلے سے اُن کا تعارف ہوا، اُس کے بعد ہم تقریباً 11 بجے برمنگھم کی طرف روانہ ہوئے۔ مانچسٹر جیسے خوبصورت شہر کو الوداع کہنے کو جی نہیں کر رہا تھا لیکن تقی عابدی شہر چھوڑنے پر ہم سب کو مجبور کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وقت پر برمنگھم پہنچ کر تقریباً 2 گھنٹے آرام کرنے کے بعد فیض سیمی ناریں شرکت کرنے کے لئے وقت پر پہنچا جائے۔ یہاں میں واضح کر دوں تقی عابدی بنیادی طور پر اگرچہ کہ طب کے ڈاکٹر ہیں لیکن اصل میں اُن کو سفیر اُردو کے نام سے

زیادہ جاناجاتاہے۔یہی وجہ ہے کہ لندن والے پرو گرام میں پاکستانی سفارت خانے کے سفیر نے اُنہیں شعبہ اُردو پنجاب یونیورسٹی لاہور کے پہلے سفیر اُردو ایوارڈ سے بھی نوازا۔اس موقعہ پر شعبہ اُردو پنجاب یونیورسٹی کے صدر ڈاکٹر محمد کامران کے علاوہ ادبی قافلے کے دوسرے ممبران بھی موجود تھے۔پاکستانی سفارت خانہ کے اہلکاروں کے علاوہ لندن کا اُردو داں طقبہ بھی اس تقریب میں موجود تھا۔ تقی عابدی وقت کے بھی بہت پابند ہیں اور جب وہ خطبہ دیتے ہیں تو کہیں سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتاہے کہ وہ دوائیوں کے ڈاکٹر ہیں بلکہ یوں لگتاہے کہ اُردو کا کوئی بڑا فلاسفر معتبر انداز میں گفتگو کر رہاہے۔فیض اُن کا محبوب موضوع ہے۔فیض فہمی تقی عابدی کی وہ اہم کتاب ہے جسے ادبی حلقوں میں خوب سراہا گیاہے۔برمنگھم کے سیمی نار میں اُنہیں فیض پر کلیدی خطبہ پیش کرنا تھا۔شاید ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ برمنگھم وقت پر پہنچانا چاہتے تھے چناں چہ نہ چاہتے ہوئے بھی مانچسٹر کو چھوڑ کر ہم برمنگھم کی طرف روانہ ہوئے ۔گاڑی نے آہستہ آہستہ رفتار پکڑی۔راستے میں ایک ریسٹورنٹ میں کافی پینے کے بعد تقریباً 3 بجے ہم برمنگھم شہر میں داخل ہوئے۔واضح رہے کہ برمنگھم انگلستان کا وہ اکلوتا شہر ہے جہاں ہندوستان اور پاکستان کے لوگ کثیر تعداد میں آباد ہیں۔اس شہر میں کثیر تعداد میں مسجدیں بھی دیکھنے کو ملیں۔ویسے انگلستان کے اس سفر میں ہر شہر میں ہمیں مسجدوں کی اچھی خاصی تعداد دکھائی دی جہاں باضابطہ طور پر نماز بھی ادا کی جاتی ہے۔برمنگھم میں کہیں کہیں کوئی گورا کبھی بھی دکھائی دیتاہے ۔تجارت ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کے ہاتھ میں ہے ۔یہاں کے زیادہ تر ٹیکسی ڈرائیور پاکستانی پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں ۔مختلف تجارتی کمپنیوں میں ہندوستان اور پاکستان کے لوگ ہی نوکری کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ قافلے کے سب ہی ممبران کو بھوک کا زبردست احساس ہورہا تھا۔چناں چہ شہزاد کے کہنے پر پاکستانی مارکیٹ کے ایک کے ایک ریسٹورنٹ پر دوپہر کے کھانے کے لئے سب ممبران چلے گئے۔اس مارکیٹ کو دیکھ کر مجھے جموں کا رگھوناتھ بازار یاد آیا جہاں سلیقے سے سڑک کے دونوں طرف مختلف قسم کی دکانیں سجی ہوئی ہیں۔پاکستانی ریسٹورنٹ میں ہم نے تھوڑی سی خرید و فروخت بھی کی۔اس کے بعد ہم ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے۔یہاں ہمارا رہنے کا انتظام ہوٹل برطانیہ میں تھا۔ہوٹل کے قریب پہنچ کر شہزاد کسی وجہ سے ہوٹل کا راستہ بھول گئے پھر کیا تھا ہم تقریباً ایک ہی چوک

میں 2 گھنٹے بھٹک گئے۔ تقی عابدی ٹیکسی لے کر ہوٹل پہنچ گئے اور ہم کسی طرح سے سیدھا پاکستان کونسلیٹ پہنچ گئے۔ تقی عابدی یہاں ہم سے پہلے ہی موجود تھے۔ تقریباً 7 بجے شام پروگرام کا آغاز ہوا۔ فیض سیمی نار کی صدارت میں راقم کے علاوہ محترمہ فاطمہ حسن محترم تقی عابدی محترم خلیل الرحمان اور عبدالرحمان عبد بھی موجود تھے۔ مقررین میں ڈاکٹر محمد کامران اور خلیل الرحمان کے علاوہ محترم تقی عابدی نے پر مغز کلیدی خطبہ پیش کیا۔ انہوں نے فیض کی روحانی شاعری پر بات کرتے ہوئے مثالوں کے ساتھ ثابت کیا کہ فیض کی زیادہ تر شاعری رومانی موضوعات کے گرد ہی گھومتی ہے۔ اگرچہ کہ وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے رومانی موضوعات کو اپنی شاعری میں خوب برتا۔ فیض شناس جناب بدرالدین بدر نے فیض کے ساتھ اپنے 20 سالہ قریبی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے سامعین کو فیض احمد فیض سے متعلق اُن واقعات کا ذکر بھی کیا جو ابھی تک پردہ ٔ اخفا میں تھے۔ فیض کی گھڑی تبدیل کرنے کے ذکر کے علاوہ انہوں نے فیض کی اچانک موت کا تذکرہ بھی سامعین کے ساتھ کھل کر کیا۔ انہوں نے بتایا کہ فیض جب بھی برمنگھم آتے تھے تو اپنا دست شفقت اُن کے سر پر ضرور رکھتے تھے۔ بدرالدین بدر اپنی تقریر کر ہی رہے تھے کہ خلیل الرحمان نے مجھے بتایا کہ سامنے کی قطار میں کالا کوٹ پہنچے ہوا شخص پاکستانی کرکٹ ٹیم کا سابق کپتان مشتاق محمد ہے۔ میری خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ بچپن میں جب ریڈیو پر میں کمینٹری سنتا تھا تو مشتاق محمد اُس وقت پاکستانی کرکٹ ٹیم کے کپتان ہوا کرتے تھے اور اب وہ بالکل میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا کہ پروگرام کے اختتام کے بعد مشتاق محمد سے تفصیلی ملاقات کروں لیکن چونکہ وہ بدرالدین بدر کو لے کر پروگرام سے جلدی واپس چلے گئے اس لئے اس ملاقات کا خواب ادھورا رہ گیا جس کا مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔ فیض سیمی نار کے بعد شعری نشست میں مہ جبین غزل، نصرت مہدی، صائمہ کامران، تقی عابدی اور فاطمہ حسن نے سامعین کو اپنی شاعری سے محظوظ کیا۔ اس کے بعد ہم سب ہوٹل برطانیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ معلوم ہوا کہ ہوٹل کی اپنی کوئی پارکنگ نہیں ہے چناں چہ دور ایک پارکنگ میں گاڑی پارک کی گئی جہاں سے ہم اپنا اپنا سامان گھسیٹ کر بڑی مشکل سے پسینے میں شرابور ہوٹل برطانیہ پہنچے جو ایک تنگ گلی میں واقع تھا لیکن اس ہوٹل کے آگے اور پیچھے ایک شاندار مارکیٹ قائم تھی جہاں کی دکانوں

پرانگریزوں کی کثیر تعداد نظر آئی۔لندن سے لے کر برمنگھم تک ہم نے جتنے بھی پروگراموں میں شرکت کی سامعین کی تعداد تارکین وطن کی ہی تھی جن کی اکثر یہ شکایت تھی کہ اُن کی نئی نسل اُردو سے بے بہرہ ہوتی جارہی ہے کیونکہ اکثر اسکولوں میں اُردو مضمون کی صورت حال مایوس کن ہونے کی وجہ سے نئی نسل اُردو کی طرف زیادہ راغب نہیں ہے۔ہمارے کسی بھی پروگرام میں کہیں سے بھی کوئی گورا نظر نہیں آیا۔تارکین وطن کی ایک کثیر تعداد نے ان پروگراموں میں شرکت کرکے قافلے کے ممبران کو آگاہ کیا کہ وہ اُردو کے پروگرام منعقد کرکے اپنی تہذیب وثقافت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔چوں کہ انگلستان میں ہم نے کسی یونیورسٹی کا دورہ نہیں کیا اس لئے وہاں کی یونیورسٹیوں میں اُردو کی صورتحال بیان کرنے سے قاصر ہوں۔البتہ ہمارے ایک پروگرام میں انگلستان کی کسی یونیورسٹی میں تعینات ایک اسسٹنٹ پروفیسر نے اقبال اور علامہ رومی پر انگریزی میں ایک مقالہ ضرور پڑھا۔برطانیہ میں اُردو کو فروغ دینے میں اُردو کی غیر سرکاری انجمنیں کلیدی رول ادا کررہی ہیں۔بہرحال ہمارا قافلہ آخری پڑاؤ کی طرف گامزن تھا۔برمنگھم کے بعد ایک دفعہ پھر ہمارا پروگرام لندن میں تھا۔ہوٹل برطانیہ کے آس پاس کی مارکیٹ میں چہل قدمی کرنے کے بعد ہمارے قافلے کے تمام ممبران سونے کے لئے ہوٹل کے اپنے اپنے کمروں میں ایک دفعہ پھر چلے گئے۔

13 جولائی 2018 ہماری ادبی تقریب کا آخری دن تھا کیوں کہ اس دن ہمارے قافلے کی آخری تقریب شام چھ بجے منعقد ہونی تھی۔7 جولائی کو اس ادبی قافلے کا جو آغاز جاوید شیخ کے گھر سے ہوا تھا وہ 13 جولائی کو لندن کے ایک میوزیم کے سیمی نار ہال کی تقریب کے بعد اختتام پذیر ہونا تھا۔ہوٹل برطانیہ میں تقریباً صبح نو بجے تیار ہونے کے بعد راقم اور پروفیسر خواجہ اکرام چہل قدمی کرتے ہوئے برطانیہ ہوٹل برمنگھم کی مارکیٹ میں خرید وفروخت کی غرض سے چلے گئے۔یہاں میں واضح کردوں کہ ہندوستان سے جاتے وقت جو سوٹ کیس میں ہندوستان سے اپنے ساتھ لے گیا تھا اس کے تالے شفیلڈ میں ہی خراب ہوگئے تھے جس کی وجہ سے مجھے کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑرہا تھا۔اس کے علاوہ میرا یہ سوٹ کیس ایک جگہ سے ٹوٹ بھی گیا تھا۔چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ ایک

نیاسوٹ کیس خریداجائے کیوں کہ تقی عابدی کے مطابق ٹوٹاہواسوٹ کیس واپسی پر ہندوستان جاتے وقت جہاز میں ساتھ لینے نہیں دیاجائے گا۔چنانچہ مستقبل کی پریشانی کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے پہلے ہی دن پاکستانی مارکیٹ سے ایک بڑاسوٹ کیس خرید لیا۔یہ سوٹ کیس مجھے 35 پونڈ میں ملا۔پنجاب یونیورسٹی لاہور کے صدر شعبہ اُردو ڈاکٹر محمد کامران ،راقم اور پروفیسر خواجہ اکرام ایک پاکستانی دکان سے زنانہ ملبوسات خرید کر رہے تھے کہ عبدالرحمان عبد نے دکاندار سے تعارف کرواتے ہوئے مجھے اور خواجہ اکرام الدین کو ہندوستانی کہااور ڈاکٹر محمد کامران کو پاکستانی دکاندار نے حیرانگی ظاہر کرتے ہوئے کہاکہ کیاہندوستانی اور پاکستانی ایک ساتھ خرید فروخت بھی کرتے ہیں۔دکاندار کی اس بات پر ہم سب نے زوردار قہقہہ لگایا۔بہر حال جس مارکیٹ میں ہم اس وقت گھوم رہے تھے وہاں کسی پاکستانی کی دکان نہیں تھی بلکہ پوری مارکیٹ کے دکاندار انگریز ہی تھے۔ہمیں کافی کی طلب شدت سے محسوس ہورہی تھی ۔چناں چہ مارکیٹ کی ایک شاندار کافی شاپ سے ہم دونوں نے کافی پی۔اس کے بعد خواجہ اکرام الدین اور میں نے چند چیزیں خریدیں اور ہوٹل برطانیہ کی طرف واپس لوٹے جہاں ہمارے قافلے کے ممبران اپنے سامان کے ساتھ کھڑے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ تقی عابدی ہر ممبر کے لئے ناشتے میں ایک ایک برگراور ایک عدد کافی لے آئے تھے۔ہم ایک ہاتھ سے سامان گھسیٹتے اور ایک ہاتھ سے برگر کھاتے ہوئے پارکنگ کی طرف چل پڑے جو کافی دوری پر واقع تھی۔راستے میں ایک جگہ سامان جمع کر کے چند ٹیکسیاں منگوائی گئیں جہاں سے ہم سامان کے ساتھ کار پارکنگ تک پہنچ گئے۔اب ہمیں برمنگھم سے لندن کی طرف روانہ ہوناتھا۔گاڑی کی ڈکی میں سامان رکھنے کے بعد ہم نے تقی عابدی کی لائی ہوئی کافی کوراستے میں کھڑے کھڑے ہی پی لی اوراس کے بعد ہم لندن کی طرف روانہ ہوئے۔شہزاد حسب معمول گاڑی چلانے کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے لطیفوں سے بھی محفوظ کر رہاتھا۔یہی کام تقی عابدی بھی کر رہے تھے۔پورے سفر میں سرداراور پٹھان ان لطیفوں میں چھائے رہے۔راستے میں ایک ریسٹورنٹ میں ہلکالنچ لے کر ہم ٹھیک چھ بجے لندن پہنچ گئے جہاں موسم قدرے گرم تھاجس کی وجہ سے انگریز تھوڑی پریشانی محسوس کر رہے تھے لیکن تھوڑی دیر میں ہلکی ہلکی بارش شروع ہوئی اور انگریزوں کو گرمی سے تھوڑی راحت ملی۔اس شام لندن میں فیض فونڈیشن نے فیض احمد فیض پر تقی عابدی کے

ایک توسیعی خطبے کا اہتمام کیا تھا۔اس کے بعد ایک مشاعرہ رکھا گیا تھا۔پروگرام کے آخری حصہ موسیقی کا تھا۔فیض فونڈیشن کے روح رواں ایوب اولیا ہیں جنھوں نے موسیقی پر چند اہم کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔اس کے علاوہ آپ ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔7 بجے شام ڈاکٹر تقی عابدی نے فیض کی شاعری پر ایک پر مغز لیکچر دیا۔انہوں نے فیض کی شاعری کے مختلف موضوعات پر بحث کرتے ہوئے انہیں ایک نمائندہ ترقی پسند شاعر بھی قرار دیا۔انہوں نے کہا کہ فیض اعلیٰ پایہ کے شاعر ہیں جن کے کلام میں نغمائی کیفیت بدرجہ اتم موجود ہے۔لندن میں اُردو کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے تقی عابدی نے کہا کہ انگلستان میں اُردو کا آغاز 1818ء میں اُس وقت ہوا تھا جب لارڈ ولہذی نے انگریزوں کو اُردو سکھانے کے لئے ایک کالج کا قیام عمل میں لایا۔ گویا انگلستان میں اُردو کو داخل ہوئے دو سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔انہوں نے اُردو کی مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ رالف رسل نے اگرچہ کہ یہ پیشن گوئی کی تھی کہ انگلستان سے اُردو 50 سال کے اندر ختم ہو جائے گی لیکن یہ پیشن گوئی اس لئے غلط ثابت ہوئی کیوں کہ اُردو انگلستان میں پھل اور پھول رہی ہے اور آئندہ بھی اس کا دبدبہ قائم رہے گا۔ تقی عابدی کے پر مغز لیکچر کے بعد جناب ایوب اولیا،ڈاکٹر نصرت مہدی،صائمہ کامران ،خلیل الرحمان وغیرہ شعراء نے اپنی شاعری سے مشاعرہ میں چار چاند لگائے۔یہاں ہماری ملاقات قافلے کی ممبر محترمہ فاطمہ حسن کی بیٹی سے بھی ہوئی جو یہاں کی کسی یونیورسٹی سے گذشتہ ایک سال سے زیر تعلیم ہیں۔اس کے علاوہ المساجد کے مدیر اعلیٰ جناب طارق محمود بھی اس پروگرام میں موجود تھے۔وہ نہایت خوش اسلوبی سے ہمارے ساتھ پیش آئے۔انہوں نے اپنے اخبار کے تراشے بھی ہمیں فیس بک پر بھیجے جس میں پاکستانی سفارت خانے والے پروگرام کی مفصل رپورٹ شائع ہوئی تھی۔کلکتہ کی رہنے والی ایک موسیقار(جس کا نام میں بھی بھول گیا) نے فیض کی بعض غزلوں کو سُر میں پیش کر کے ہال میں ایک عجیب طرح کی کیفیت پیدا کی۔طبلے کی تال اور ہارمونیم کے ساز نے اس پروگرام کو یادگار بنا دیا۔جناب ایوب اولیا نے اعلان کیا کہ فیض فونڈیشن لندن 13 اکتوبر 2018ء کو بڑے پیمانے پر جشن فیض کا لندن میں انعقاد کر رہی ہے۔اس پروگرام کے لئے انہوں نے قافلے کے تمام ممبران کو دعوت دی۔ تقریباً 11 بجے رات پروگرام اختتام پذیر ہونے کے بعد محترمہ فاطمہ حسن اپنی بیٹی کے ساتھ قافلے سے علیحدہ ہوئیں

اور نصرت مہدی اپنے رشتہ دار کے ساتھ پروفیسر خواجہ اکرام الدین بھی ہم سے بچھڑ گئے وہ اپنے دوست کے یہاں چلے گئے۔ تقی عابدی، راقم، عبداور شہزادارمان کے ساتھ ایک مقامی ہوٹل پہنچ گئے جہاں چند گھنٹے آرام کرنے کے بعد صبح چھ بجے شہزاد نے مجھے ہیتھرو ایئرپورٹ پہنچایا۔انگلستان کے وقت کے مطابق صبح ساڑھے نو بجے ایئرانڈیا کی فلائٹ نے ہندوستان کی طرف اُڑان بھری جہاں ہندوستانی وقت کے مطابق رات 11 بجے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ باہیں پھیلائے ہوئے میرا استقبال کرنے لیے تیار تھا۔

*****